پدنزہ کرے۔ ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی انسانیت کو اس سے چھین لیا جائے، جب اس کی فطرت، اس کی افتاد طبع کو منقلب کر دیا جائے۔ اس کو ایسا بنا دیا جائے کہ وہ نہ شخصی لذت پسند کرے اور نہ ذاتی تکلیف ناپسند کرے۔

انصاف کیجئے کہ جب حبّ نفس اور حبّ لذت کو انسان کی نظر میں پوری پوری اہمیت حاصل ہے، جبکہ وہ اپنی ذات کو ایک خالص محدود مادی چیز سمجھتا ہے، جبکہ لذت ان فائدوں اور مسرتوں کا نام ہے جنھیں مادہ مہیّا کرتا ہے تو کیا فطری طور پر انسان یہ نہیں سوچے گا کہ میری جدوجہد اور کدو کاوش کا میدان بھی محدود دنیا ہے؟ میرا مقصد زندگی بھی کی مادی لذتوں سے لطف اندوز ہونا ہے؟ صاف بات ہے کہ اس مقصد تک پہونچنے کا صرف ایک راستہ ہے، وہ یہ کہ آدمی کے پاس زیادہ سے زیادہ دولت ہو۔ روپیہ انسان کے سامنے تمام خواہشوں کے پورا کرنے اور تمام لذتوں کے حاصل کرنے کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

زندگی کے مادی تصورات کی یہی زنجیر ہے جو انسان کے ہاتھ پیر باندھ کر سرمایہ دارانہ ذہنیت اور اس کے افعال کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ کتنا طفلانہ خیال ہے کہ اس مادی ذہنیت کو باقی رکھتے ہوئے محض شخصی ملکیت کے ختم کر دینے سے تمام مشکلات زندگی حل ہو جائیں گی۔ آخر جو بیماریاں انہی مادی خیالات نے پیدا کی ہیں انھیں انفرادی ملکیت کا ممنوع قرار دینا کیونکر دور کر دے گا۔؟

آخر اس کی ضمانت کیا ہے؟

اچھا ہم مانے لیتے ہیں کہ ساری تباہیاں اور خرابیاں شخصی مالکیت کی پیدا کردہ ہیں۔ نظام مارکسی نے دنیا کے سامنے معاشی اور اقتصادی مشکلات کا حل پیش کر دیا ہے لیکن عوام میں خوش حالی، ملک میں امن وامان محض کاغذ پر نظام مارکسی لکھے رہنے سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس کے لیے اس کے مکمل طور سے جاری اور نافذ کرنے کی

ضرورت ہے۔ فرمائیے کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ ذمہ داران حکومت عمل اپنے پیش کردہ تجویز کردہ مقاصد سے دستبردار نہیں ہوں گے؟ جبکہ ان لوگوں کے ذہن میں بھی زندگی کے وہی خالص مادی تصورات راسخ ہیں جبکہ حب نفس کے فطری جذبہ سے ان کے قلب و دماغ بھی خالی نہیں ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے معاشی اور اقتصادی لائحۂ عمل سے منحرف ہو جائیں۔ روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ اکثر اپنی انفرادی مصلحت اور جماعتی مصلحت میں تصادم ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع بکثرت سامنے آتے ہیں کہ دوسروں کا فائدہ اپنے خسارے میں دیکھنے کا سبب بن جاتا ہے اس طرح کے نازک اور خطرناک آزمائشی لمحوں میں قومی حقوق اور نظام و قانون کے لیے حکام وقت سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ذاتی مفاد صرف شخصی ملکیت کے دائرے میں محدود نہیں ہے تاکہ اسے ختم کرکے ان خطروں کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کمیونزم کے موجودہ لیڈر برابر سابق حکام کی غداریوں کا انکشاف کیا کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مسلک اور مذہب سے کیا کیا غداریاں کیں؟!

وہ دولت و ثروت جس پر نظام سرمایہ داری نے سرمایہ داروں کو مسلط کر دیا تھا شخصی ملکیت ختم ہونے کے بعد حکومت کے ہاتھ میں آجائے گی۔ بدقسمتی سے یہ حکومت انہی افراد پر مشتمل ہے جن کے دماغ میں بھی خالص مادی ذہنیت بھری ہوئی ہے۔ یہ مادی ذہنیت حب نفس کی تحریک سے انھیں آمادہ کرتی ہے کہ وہ شخصی مصلحتوں کو قومی مصلحتوں پر مقدم کریں۔ حب نفس کا فطری جذبہ انکار کرتا ہے کہ انسان بلا کسی معاوضہ کے اپنی شخصی مصلحتوں کا لحاظ نہ کرے۔ زندگی کے مادی تصورات کی روشنی میں جب تک شخصی مفاد انسان کے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے یہ قومی دشواریاں، سیاسی کشمکشیں، اقتصادی پریشان حالیاں ہرگز دور نہیں ہوسکتیں۔

انسانیت کی ان تمام پریشانیوں اور تباہیوں کا سرچشمہ مادی تصورات ہیں بغیر انسانی ذہنیت کو منقلب کیے ہوئے ان شخصی چھوٹی اور بڑی سرمایہ داریوں کو توڑ کر ایک بہت بڑے سرمایے کی شکل میں تبدیل کر کے حکومت کو اس کا متولی بنا دینے سے انسان کو مکمل اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ تمام باشندگان ملک ایک بہت بڑے کارخانے کے مزدور ہیں جن کی معاشی اور سیاسی زندگی اس کارخانے کے ذمہ داروں کے رحم وکرم پر ہے۔ ہاں اس کارخانے اور سرمایہ داری کے کارخانوں میں ایک فرق ضرور ہے۔ وہاں کارخانہ دار منافع کے خصوصی مالک تھے، جس طرح چاہتے ان منافع کو اپنے صرف میں لاتے تھے۔ کمیونزم کے زیر سرپرستی قائم شدہ کارخانہ کے چلانے والے اصولاً ایک پائی کے مالک نہیں ہیں، لیکن شخصی طور سے فائدہ اٹھانے کے تمام میدان ان کے قدموں کے نیچے ہیں۔ پھر مادہ پرستی نے اس کام کو سند جواز بھی دیدی ہے۔

پھر صحیح راستہ کونسا ہے؟

دنیا کے سامنے انسانی مشکلات کو دور کرنے کے دو راستے ہیں، ایک یہ کہ انسانی فطرت اور افتاد طبع کو بالکل بدل دیا جائے۔ اس کے واسطے ایک نیا مزاج ڈھالا جائے کہ انسان جماعتی مفادات کی خاطر اپنی محدود مادی زندگی کی مصلحتوں کو ہنسی خوشی نظر انداز کر دے۔ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اس دنیا کے علاوہ دوسرا کوئی عالم نہیں ہے۔ یہاں کے فائدے کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں ہے، مگر پھر بھی اپنی جان قومی مفاد پر قربان کر دے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب اس کی ذات سے حب نفس کو نکال کر حب جماعت اور حب قوم رکھ دیا جائے، وہ اپنے سے اس لیے محبت کرے کہ وہ قوم کی ایک فرد ہے، اسے اپنی خوش حالی پر نظر کر کے اس لیے لطف محسوس ہو کہ یہ اجتماعی فارغ البالی کا ایک ٹکڑا ہے۔ یقیناً اس کے بعد انسان جماعتی محبت کے

اشاروں سے ملکی اور قومی مفادات کے لیے بصروچشم کوشش کرے گا شخصی اور اجتماعی مصلحتوں کا ٹکراؤ ختم ہو جائے گا۔

دوسرا راستہ جس پر چلنے سے انسانیت کے موجودہ اور آئندہ تمام مشکلات دور ہو سکتے ہیں یہ ہے کہ انسان کے ذہن سے زندگی کا تصور نکال دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ فوراً اس کے مقاصد زندگی بھی بدل جائیں گے۔ اس کے واسطے انسان کی فطرت میں کسی انقلاب کے لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف مضبوط دلائل کی مدد سے اسے یقین دلا دینے کی ضرورت ہے کہ زندگی کا مادی تصور صحیح نہیں ہے۔

پہلے راستے کی بابت کمیونسٹوں کی پیشین گوئی ہے کہ مستقبل میں انسان خوشی سے اسی کو اختیار کرے گا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انسان کے جذبات اور احساسات کو وہ اس طرح بدل دیں گے کہ وہ ایک مشین کے مانند ملک اور قوم کی خدمت میں حرکت کرے گا۔ بے شک اس زبردست تبدیلی کے بروئے کار آنے کے لیے ضروری ہے کہ سارے عالم کی قیادت اسی طرح بے چون وچرا ان کے سپرد کر دی جائے جس طرح ایک مریض اپنے کو کسی تجربہ کار ڈاکٹر کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ جو دوائیں چاہے استعمال کرائے۔ جن اعضاء کو چاہے قطع وبرید کرے، کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس قومی آپریشن کی مدت کتنی طولانی ہوگی، مریض انسانیت کو کب مکمل شفا نصیب ہوگی!

دوسرا راستہ وہ ہے جو اسلام نے انسان کے لیے تجویز کیا ہے، اس نے انفرادی ملکیت کو اپنے قانون میں ممنوع نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس نے زندگی کے مادی تصور کے خلاف قدم اٹھایا ہے۔ اس نے زندگی کا ایک روحانی تصور دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کے معاشرتی نظام کی پوری عمارت زندگی کے اسی حقیقی مفہوم کی بنیاد پر بلند ہوئی ہے۔ اسلام نے نہ فرد کو جماعت پر بھینٹ چڑھایا ہے اور نہ قوم کو فرد پر

ہر ایک کے لیے مخصوص حقوق کی حد بندی کر دی ہے۔ اس نے انسان کے مادی اور روحانی دونوں طرح کے مطالبات کا لحاظ رکھا ہے۔ اسلام کی نگاہ معاشرتی بیماریوں کے حقیقی اسباب پر ہے۔ اس نے ان اسباب کی اس طرح بیخ کنی کی جو انسانی فطرت کے ساتھ سازگار ہے۔ ان طرح طرح کی بدبختیوں اور رنگ برنگ مصیبتوں کا مرکزی نقطۂ زندگی کا مادی نظریہ تھا۔ اس کی تعبیر مختصر لفظوں میں یہ ہے :

"حیات انسانی کو اسی دنیا میں محدود سمجھ لینا، اپنے ہر اقدام اور عمل کا مقصد اپنی ذاتی مصلحت کو قرار دینا۔"

اسلام نے اسی نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے پوری پوری کوشش کی۔ یقیناً نظام سرمایہ داری اسلام کے نزدیک ناقص اور ناکام ہے، وہ بھی اس کے فنا ہونے کا یقین رکھتا ہے، لیکن اس کے وہ اسباب نہیں ہیں جنھیں کمیونزم نے پیش کیا ہے۔ اسلام اس کا قائل نہیں ہے کہ سرمایہ داری اور شخصی ملکیت میں خود باقی اور فنا ہونے کے دو متضاد سبب موجود ہیں جو برابر مصروف جنگ رہتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں نظام سرمایہ داری کی ناکامی ان خالص مادی رجحانات کی وجہ سے جو اس کی ترتیب اور تدوین میں از خود کار فرما ہیں۔

گزشتہ توضیحات نے بتایا کہ انسان کے دل و دماغ میں غیر مادی ذہنیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ معاشرتی نظام کی تشکیل اسی کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ دنیا کے تمام مسائل کو اسی نقطۂ نظر سے حل ہونا چاہیئے۔ مادی ذہنیت کے ختم ہو جانے کے بعد انسان ایک روحانی اور نورانی، امن و امان سے لبریز ماحول میں زندگی بسر کر سکے گا۔

اسلام کا بنیادی مقصد انسان کی نظر کو بلندی اور وسعت دینا ہے۔ اس کے سماجی نظام کا خاکہ حیات و کائنات کی بابت جدید تصورات نے بنایا ہے۔

بلکہ انسان کے دل و دماغ میں اس بات کو راسخ کیا ہے کہ اس کی زندگی ایک بالاتر، قاصد مختار طاقت کے ارادے کا نتیجہ ہے۔ یہ زندگی ایک دوسرے باقی اور ابدی عالم تک پہونچنے کا راستہ ہے۔ اسلام نے انسان کے تمام عقائد اور اعمال کا ایک نیا معیار مقرر کیا ہے، وہ انوکھا معیار اس کے خالق کی مرضی ہے۔ اسلام شخصی مصلحتوں کی تمام مانگوں کو جائز نہیں سمجھتا، ہر مادی لذت اس کی نظر میں مباح نہیں ہے۔ یونہی ہر دنیوی ذاتی نقصان کے برداشت کرنے کو وہ حرام نہیں قرار دیتا ہے۔ اسلام نے انسان کا مقصد زندگی رضائے الٰہی کو معین کیا ہے۔ انسان کے اعمال اور عبادات کی اخلاقی میزان یہ ہے کہ انھوں نے خدا کی رضا کا کتنا حصہ پایا۔ سلیم الفطرت انسان وہ ہے جو اس پاکیزہ مقصد تک پہونچنے کی کوشش کرے۔ صحیح مسلمان وہ شخص ہے جو اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اسی مقصد کے مطابق رفتار اور رویہ اختیار کرے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ انسان کے اخلاقی اور کائناتی تصورات کی تبدیلی اس کی فطرت میں کسی انقلاب کے لانے کی طلبگار نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتی کہ انسان از سر نو دوبارہ پیدا ہو۔ اپنی ذات سے محبت اور اس کی خصوصی خواہشوں کے پورا کرنے کی کوشش انسانی فطرت کا تقاضا ہے، کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ تجربہ اور آزمائش کے حلقہ بگوش حب نفس کے جذبۂ فطری ہونے کا انکار کرتے ہیں! حالانکہ ایسا مکمل اور طویل تجربہ کسی دوسری چیز کے لیے موجود نہیں ہے۔ کروڑہا سال پرانی انسانی زندگی کی تاریخ حب نفس کے فطری جذبہ ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ اگر حب نفس کا جذبہ فطری نہ ہوتا تو وہ غیر متمدن، غیر مہذب، سادہ لوح پہلا انسان، طرح طرح کے خطروں کو اپنے سے دور کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرتا۔ اسے اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کے پورا کرنے کی ہرگز فکر نہ ہوتی۔ انسانی فطرت میں حب نفس کا درجہ جب اتنا اہم ہے

تو سماجی دشواریوں کا صحیح اور کامیاب حل وہی ہوگا جو اس حقیقت کو مانتے ہوئے تشکیل پائے جس نظام کی بنیاد اس جذبہ کو منقلب اور تبدیل کرنے پر ہو وہ عملی طور سے کسی وقت بھی وجود میں نہیں آسکتا۔ وہ کمیونسٹ حضرات کے دل میں ایک خوش آیند تمنا اور دماغ میں ایک تصور بن کے رہے گا۔

اسلام کا حکیمانہ پیغام

اسلام اپنے کاندھوں پر جو عظیم بوجھ لے کر اٹھا ہے، اس کی طاقت اسلام کے علاوہ کسی میں نہیں ہے۔ اس کے دانشمندانہ اغراض و مقاصد اسی کے کھینچے ہوئے خطوط پر چلنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے اپنے بنائے ہوئے اخلاقی معیار اور حب نفس کے فطری جذبہ کے درمیان ارتباط قائم کیا۔ حب نفس انسان کے خیالات اور افعال کی فطری ترازو ہے، لیکن اسلام کے نزدیک تمام انسان کے افکار و اعمال کا محور خدا کی مرضی کو ہونا چاہئے۔ اسلام کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے الگ الگ دو معیاروں کو سمو دیا۔ ان کی دوئی کو مٹا کر ان کے درمیان وحدت پیدا کردی۔ اسلام کی یہ عظیم کارگزاری ہمہ گیر عدل و انصاف، عمومی سکون و اطمینان کے وجود میں لانے کی ذمہ دار ہے۔

حب نفس کے جذبۂ فطری کا مطالبہ ہے کہ انسان اپنی شخصی مصلحت کا لحاظ کرے۔ اسلام کا اخلاقی معیار طلبگار ہے کہ قوم اور افراد قوم کے مطالبوں کے درمیان اعتدال و توازن رہنا چاہئے۔ ان دونوں مطالبوں میں کیونکر اتحاد و اتفاق پیدا کیا جائے؟ ان دونوں معیاروں کو کس طرح ایک دوسرے میں سمو دیا جائے؟

یہ صحیح ہے کہ اس امتزاج کے بعد انسان کی وہ شخصیت پرستی جو کروڑہا برس سے طرح طرح کے مصائب اور مظالم کی ذمہ دار رہی ہے ملک و قوم کی خیرخواہی اور بہبودی کا سبب بن جائے گی، لیکن یہ مرحلہ سر کیونکر ہو؟ اسلام نے اس مرحلے کو جس دانشمندی اور حکیمانہ انداز سے طے کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔

اس نے زندگی کے حقیقی مفہوم کو ذہن انسانی میں پیوست کرنے کی کوشش کی۔ اس نے اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ یہ دنیوی زندگی ایک دوسری جاودانی زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ انسان اپنی اس محدود زندگی میں مرضی خدا کے مطابق چلنے کی جتنی کوشش کرے گا اسی کے تناسب سے اس حیات اخروی میں اسے راحت و اطمینان نصیب ہوگا۔ تصورِ آخرت جہاں بلند ترین قومی، ملکی، مذہبی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے وہاں شخصی فائدوں کے پورا ہونے کا بھی وسیلہ ہے۔ اسلام انسان کو سمجھاتا اور نصیحت کرتا ہے کہ وہ جماعتی سود و بہبود کے لیے پوری کوشش کرے۔ وہ ہر معاملے میں عدل و انصاف کا لحاظ رکھے۔ ان سماجی اور اجتماعی خدمات سے اس کو براہ راست شخصی فائدہ بھی پہونچے گا۔ اس کی ہر خدمت کا کئی گنا معاوضہ اسے عالم آخرت میں دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ اگر وہ قومی، ملکی اور مذہبی مصلحت کے بجائے اپنی دنیوی اور ذاتی مصلحت کا لحاظ کرے تو نسبتاً اسے زیادہ فائدہ پہونچ جائے، لیکن یہ فائدہ اخروی فائدے کے مقابلہ میں نہیں آسکتا، کیونکہ نہ محض یہ کہ وہ مقدار میں کئی گنا زیادہ ہے، بلکہ یہ عارضی اور فانی ہے، مگر وہ باقی اور جاودانی۔

اسلام نے ابدی زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس کے بعد جماعت کا مسئلہ فرد کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ یہ اتحاد و اتفاق اور وحدت و یگانگی زندگی کے مادی تصورات کی سرپرستی میں ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی۔ مادی ذہنیت انسان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنے موجودہ مفاد پر نظر رکھے۔ اس کے برخلاف اسلام نے زندگی کے جس تصور سے دنیا کو روشناس کیا ہے اس نے انسان کی نگاہ میں وسعت پیدا کردی۔ اسلام انسان کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ اپنے مفادات کے پھیلاؤ پر ذرا گہری نگاہ ڈالے۔ اس کی باریک بینی اور دور اندیشی فیصلہ کرے گی کہ دنیا کے عارضی خسارے میں اس کا حقیقی فائدہ اور یہاں کے عارضی فائدہ

میں دائمی نقصانات ہیں۔

ملکی، قومی اور معاشرتی مصلحتوں کے تحفظ کے اس اسلوب میں یقیناً ان افراد پر نظر ہے جو ہر کام اپنے ذاتی مفاد کی خاطر انجام دیتے ہیں۔ بلاشبہ اس ذہنیت کے اشخاص اکثریت میں ہیں لیکن اس کے علاوہ اسلام نے اخلاقی تربیت کا بھی اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا ہے۔ اسلام نے چاہا ہے کہ انسان کے دل میں خیر مطلق کی محبت پیدا کر دے۔ کوئی شک نہیں کہ محبت اور نفرت کے جذبے انسان کی فطرت میں از خود موجود ہیں۔ اخلاقی تربیت کا کام انہی جذبات کو صحیح راستے پر لگا دینا ہے۔

خیر مطلق کی محبت انسان میں بلند ترین اوصاف پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے۔ وہ اس کے لیے تمام اخلاقی اقدار کو محبوب بنا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ ان صفات کو عملی جامہ پہنانے کی راہ میں خود اس کی جو ذاتی مصلحتیں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں وہ انھیں نہایت جرأت مندانہ طریقے سے دھکیل دیتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حب نفس کا جذبہ انسان کے صفحۂ فطرت سے مٹا دیا گیا۔ ہوا یہ کہ اسلام کی اعلیٰ تربیت نے حسن اخلاق کو انسان کی محبتوں کا مرکز بنا دیا۔ یقیناً محبوب کی فرمائشوں کی تعمیل میں ہر شخص لذت محسوس کرتا ہے۔ خود حب نفس کا جذبہ شدت سے مطالبہ کرتا ہے کہ انسان اپنے محبوب کے اخلاقی اقدار کے تقاضوں کو پورا کرے، فلسفۂ مارکسی کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ قومی مصلحتوں کے لحاظ کرنے کو وہ انسان کا محبوب بنا دے۔ وہاں جب اخلاقی اقدار ہی کا کوئی درجہ نہیں ہے تو اخلاقی تربیت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ مارکسیت جب دنیا کی کسی چیز کو ثابت قدم ابدی اور مستقل نہیں مانتی ہے تو حب نفس کے جذبے کو کیوں ناقابل تغیر و تبدل سمجھنے لگی؟!

معاشرتی تعمیر اور اصلاح کا یہ وہ حکیمانہ طریقہ ہے جو قومی اور شخصی مصلحتوں کے درمیان اتحاد اور یگانگی پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔